© rasailojaraid.com

(۲۳) کتمان علم : اسلام نے کتاب کو حق و شہادت قرار دیا ہے۔ علم نافع کو چھپانا، کتابیں جو نظریات و تحقیقات ہیں ان سے دوسروں کو محروم کرنا کتمان حق اور کتمان علم نافع ہے اس کی اسلام کبھی بھی اجازت نہیں دیتا۔ قرآن کہتا ہے " واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ " (المائدہ - ۱۸۷) اور ان اہل کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ، جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا، انہیں پوشیدہ رکھنا نہیں ہوگا۔

اسی لیے حدیث میں کتمان علم و کتاب کی سزا قیامت کے دن آگ کی لگام منہ میں ڈالے جانا وارد ہے اس لیے کہ اس سے علم کی راہ کھوٹی ہوتی اور جہل فروغ پاتا ہے۔

ان کے علاوہ بعض عوامل جو اثر و عامل دونوں حیثیتیں رکھتے ہیں جیسے :

(۲۴) عزت و شہرت۔

(۲۵) سجاوٹ اور زینت مکین و مکان۔

(۲۶) تعلیمی و تحقیقی ضروریات کی تکمیل۔

(۲۷) رشتہ ازدواج کے لیے وجہ انتخاب۔

(۲۸) کیف و سرور اور سیر و تفریح کا مرکز۔

(۲۹) سیادت و قیادت کا بھرم۔

(۳۰) غذا و دوا دینے والا طبیب۔

(۳۱) اہل مشرق و مغرب میں وجہ تفاخر۔

یہ وہ محرکات ہیں جن کا تذکرہ عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کے اثرات میں کیا گیا ہے اس لیے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

کتب خانوں کے تاریخی پس منظر کے پیش نظر علمی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مذکورہ بالا عوامل میں سے بعض عوامل ہر مذہب و ملت میں مشترک و عام ہیں البتہ گزشتہ ادوار میں ان پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمل نہیں کیا گیا اس لیے کتب خانہ سازی کی تحریک اقوام عالم میں پروان نہیں چڑھ سکی تھی۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام کے اندر قیام کتب خانہ کے جتنے عوامل و محرکات پائے جاتے ہیں وہ کسی مذہب و ملت میں نہیں پائے جاتے۔ یہ عوامل نہایت سادہ جامع قید زمان و مکان سے بالاتر اور نہایت دور رس نتائج کے حامل اور آفاقی ہیں۔ تاریخ کتب خانہ میں اس سے قبل ان عمومی و خصوصی عوامل کی نہ کسی نشاندہی کی ایسی کوشش کی گئی ہے اور نہ جذبہ انسانی کو ابھارنے میں معاون اجزا کا کہیں احاطہ کیا گیا ہے۔ ہم نے پہلی مرتبہ کوشش کی ہے کہ ایسے تمام ممکنہ اجزا کو یکجا نمایاں کیا جائے جو علمی ضرورتوں کو پورا کرنے کا سبب بنتے رہے تھے اور آج بھی بنے ہوتے ہیں۔

قبلہ حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی

ناظم ندوۃ المصنفین دہلی کیلئے دعائے صحت کی درخواست

پھر کی جاتی ہے چند ماہ سے برہان میں بھی تذکرہ نہ آسکا اس کیلئے معذرت خواہ ہوں۔ نسبتاً پہلے سے کچھ افاقہ ہوا ہے۔ مگر جس تیز رفتاری سے ہونا چاہئے تھا وہ صورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ تقریباً دس ماہ کے عرصے میں قبلہ حضرت مفتی صاحب کو ہاتھ اور پاؤں میں قوت آجانی چاہئے تھی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اللہ کی رحمت اور فضل کرم سے قبلہ حضرت مفتی صاحب جلد روبصحت مند ہوں گے

عمید الرحمٰن عثمانی

جنرل منیجر رسالہ برہان دہلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت نظام الدین اولیاؒ اور ہندوستانی سماج پر اُن کے روحانی اثرات

از: سید محی الدین صاحب اظہر لکچرر شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

گیارہویں صدی عیسوی میں جن مسلمان حکمرانوں نے اپنی جنگجویانہ مہارت، قوتِ ارادی، دلیری اور فتوحات سے بڑی بڑی سلطنتوں کو لرزہ براندام کر دیا تھا، ان میں سلطان محمود غزنوی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جیسا کہ ہندوستان پر اس کے پے در پے سترہ حملوں سے ظاہر ہے، اگر وہ چاہتا تو اس سرزمین میں ایک وسیع اور مضبوط اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈال سکتا تھا۔ لیکن وہ اپنی راجدھانی 'غزنہ' کو بنانے سنوارنے میں اسقدر منہمک رہا کہ ہندوستان میں اسلامی مملکت کی تاسیس کا اسے خیال بھی نہ آیا۔ محمود غزنوی کے حملۂ ہند کے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد غوری حکمراں شہاب الدین غوری نے پہلی مرتبہ ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی اور اپنے وفادار ترک غلام اور سپہ سالار قطب الدین ایبک کو دہلی میں اپنا نائب مقرر کر کے خود واپس چلا گیا۔

ہندوستان کے غیر مسلم عوام میں یہ بات مشہور رہے کہ اس ملک میں اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا ہے حتیٰ کہ بعض مورخین اور علماء اور اکثر سیاستداں بھی یا تو مسلمانوں کے خلاف نفرت کا زہر پھیلانے کے لیے یا پھر اپنی کم نظری کی وجہ سے بالخصوص بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف سے کچھ اسی انداز میں اسلامی ہند کی تاریخ کو مسخ کر کے پیش کرنے لگے ہیں لیکن اگر تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ محمد بن قاسم کے حملۂ سندھ سے قبل ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنوبی ہند کے علاقوں میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام شروع ہو چکا تھا۔ عرب سے آکر ساحل سمندر پر اترنے والے مسلمان تاجروں میں سے بیشتر افراد نے جنوبی ہند کے مختلف علاقوں میں سکونت اختیار کر کے 'زبان گویا' سے نہیں 'زبان عمل' سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی تھی۔ قرون اولی کے ان مقدس عرب مسلمانوں نے اپنے اعمال حسنہ، پاکیزہ کردار، صاف ستھرے معاملات اور کاروباری دیانتداری کے ذریعہ بڑی خاموشی اور غیر محسوس طریقے سے اس ملک کے غیر مسلم عوام کے سامنے دین حنیف کے اصول و نظریات اور معتقدات کو پیش کرنا شروع کر دیا تھا۔

محمود غزنوی کے حملوں اور شہاب الدین غوری کے ہاتھوں دہلی میں اسلامی حکومت کے قیام سے قبل ڈیڑھ سو سال کا جو درمیانی عرصہ گذرا ہے، اس میں کسی حکومت کی پشت پناہی اور جہانبانی وجہانگیری کے بغیر ہی شمال مغربی ہند کے پہاڑی دروں سے گذر کر ہندوستان میں مسلمان صوفیاء آنے لگے تھے۔ خدا کے ان نیک بندوں نے مختلف علاقوں اور شہروں میں اجنبی قوم کے ساتھ اپنے اسلامی وجود کی بقا اور روشن مستقبل کی تعمیر کے لیے نامساعد حالات اور مخالف ماحول کے تیز و تند اور ہولناک طوفان میں بھی بھرپور جدوجہد کی، اور مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کر کے دعوتِ اسلام کو عام کیا۔

شہاب الدین غوری کے انتقال کے بعد جب اس کے نائب قطب الدین ایبک نے دہلی میں اپنی خودمختاری اور آزاد حکومت کا اعلان کیا تو اسلامی اصولوں پر سلطنت کی بنیادیں مستحکم کرنے کے لیے اسے علماء و فضلاء کی ضرورت محسوس ہوئی اور پھر باضابطہ طور سے مبلغین اور صوفیائے کرام کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جو علماء اور صوفیاء ہندستان آئے ان کو یہاں کی زمین میں کچھ ایسی دلکشی محسوس ہوئی کہ ان میں سے بیشتر حضرات مستقلاً یہیں کے ہو رہے اور پھر اسی خاک کا پیوند ہو گئے۔

اسلامی ممالک سے آنے والے علماء و فضلاء اور صوفیاء و مشائخ جن شہروں میں کثرت سے سکونت اختیار کرتے تھے ان میں دہلی اور بدایوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جو لوگ مال و دولت اور جاہ و اقتدار کے خواہاں ہوتے وہ دہلی میں ہی رہ جاتے کیونکہ راجدھانی ہونے کی وجہ سے اس شہر میں بہرحال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رنگینیاں اور رعنائیاں دوسرے شہروں سے نسبتاً زیادہ تھیں، مگر جن لوگوں کو پرسکون اور علمی و مذہبی زندگی پسند ہوتی وہ " کا رُخ کرتے تھے۔ چنانچہ شہر بدایوں کی تہذیبی و ثقافتی اور علمی و ادبی زندگی اور اس شہر کے علماء و مشائخ کی دینی و تبلیغی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے پروفیسر خلیق احمد نظامی[1] رقمطراز ہیں۔

" اسلامی ہند کی سیاسی اور تمدنی تاریخ میں بدایوں کو خاص مقام اور اہمیت حاصل ہے۔ صدیوں تک یہ شہر علم و فضل کا مرکز اور تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے۔ اس کی خانقاہوں اور مدرسوں سے رشد و ہدایت کے جو چشمے اُبلے ہیں ان سے ملک کا چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ سیراب ہوا ہے۔ صدہا گم گشتگانِ راہ طریقت نے یہاں آکر روشنی حاصل کی ہے اور ہزاروں تشنگانِ علم نے یہاں اپنی پیاس بجھائی ہے۔ بغداد، بخارا، یمن، نخشب، مہرہ، غزنین اور غور کے کتنے برگشتہ قسمت انسانوں نے اس کی خاموش علمی فضا اور روح پرور ماحول میں اطمینان اور سکون کا سانس لیا ہے...... شیخ نظام الدین اولیا جن کا آفتاب ہدایت تقریباً نصف صدی تک اس ملک پر چمکتا رہا ہے، بدایوں ہی کی آغوش میں پلے اور بڑھے تھے۔ طوطیٔ ہند امیر خسرو کو اصلاح سخن کے لیے جس در پر سر جھکانا پڑا تھا وہ بدایوں ہی کے ایک بزرگ شہاب مہرہ کا آستانہ تھا...... سعدیٔ ہند خواجہ حسن سنجری اسی شیراز ہند کی پیداوار تھے۔ ہرچند کہ صدیاں گذر چکی ہیں لیکن آج بھی جب بدایوں کے اس دور اوّل کا خیال آتا ہے تو تلقین و ارشاد، تزکیۂ نفس، تجلیۂ باطن، اور شعر و سخن کی ہزارہا محفلیں تصور میں جگمگا اٹھتی ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زمان و مکان کی ساری پہنائیاں سمٹ گئی ہیں۔[2]...."

---

[1] صدر شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ [2] تاریخی مقالات ص ۳۹-۴۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت نظام الدین اولیاؒ چونکہ بدایوں میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے تھے اس لیے وہ اپنی مجلس میں اس شہر کا ذکر بڑی محبت اور عقیدت سے کیا کرتے تھے۔ خواجہ حسن سنجری نے اپنی تالیف فوائد الفواد میں جو حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل ہے، ان کا ایک فقرہ نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

"در بدایوں بسیار بزرگان خفتہ اند"[1]

جب خواجہ نظام الدین اولیاء کی عمر صرف پانچ سال تھی تبھی وہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ اگرچہ اس وقت وہ شعور کی اس منزل پر نہیں تھے جہاں باپ کی موت کا غم بچے کو احساس یتیمی کی آگ میں جلا کر راکھ کر دیتا ہے، لیکن بیکسی اور کسمپرسی کی حالت میں انھوں نے صعوبتوں اور فاقہ مستیوں سے بھری ہوئی جو زندگی گذاری تھی، وہی ان کو دینی رہنمائی اور روحانی پیشوائی کے بلند مرتبے تک پہنچانے کا پہلا زینہ ثابت ہوئی۔ ان کی بیوہ ماں بی بی زلیخا نے میٹھی میٹھی لوریوں اور دلچسپ کہانیوں کے پیرائے میں خدا اعتمادی اور خود اعتمادی کا جو سبق ان کو دیا تھا، وہ ان کی زندگی کا مقدم ترین اصول بن گیا۔ وہ فاقے کی مشقتوں سے ایسے لذت آشنا ہوئے کہ ساری زندگی روزہ رکھتے ہوئے گذار دی۔ انھوں نے بچپن کی بوریا نشینی کو اپنی زندگی میں اس طرح رچا بسا لیا کہ دنیا کی رنگینیوں اور جاہ و اقتدار کو کبھی آنکھ اٹھا کے نہ دیکھا۔

بی بی زلیخا نے تمامتر غربت و افلاس کے باوجود اپنے اکلوتے بیٹے کی تعلیم و تربیت کا بہت خیال رکھا۔ انھوں نے مدرسے سے ان کی غیر حاضری کو کبھی پسند نہیں کیا اور انھیں علم و ادب سے بہرہ ور کرانے کی بساط بھر کوشش کی۔ جس طرح مہمان اپنے میزبان کی مرضی اور خواہش کے مطابق رہتا ہے اسی طرح یہ دونوں ماں بیٹے خدا کی رضا پر رضامند تھے۔ کیونکہ یہ لوگ خود کو خدا کا مہمان تصور کرتے تھے۔ بی بی زلیخا نے جس طرح اپنے بیٹے کو صبر و ضبط کی تلقین کی اور ان کے دل میں بچپن ہی سے خدا کی عظمت کا سکہ بٹھایا، اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

---

[1] تاریخی مقالات ص ۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"شیخ نظام الدین اولیاء تمام دن مدرسہ میں گذارنے کے بعد بھوک کی شدت سے نڈھال اپنی بیوہ ماں کے پاس کھڑے ہیں اور وہ ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرما رہی ہیں "نظام الدین امروز ما مہمان خدا ایم" ہے۔[1]

باپ کی وفات کے کچھ دنوں بعد خواجہ صاحب اپنی والدہ کے ساتھ بدایوں سے دہلی چلے آئے جہاں ان کو غیاث الدین بلبن کے ایک وزیر مفتی شمس الدین خوارزمی سے استفادہ کا موقع نصیب ہوا مفتی صاحب نے شاگرد کی ہونہاری اور ذہانت دیکھ کر ان کو کچھ ایسی توجہ سے تعلیم دی کہ بارہ سال کی کم عمری ہی میں وہ علوم متداولہ میں کامل ہو گئے۔ جب خواجہ نظام الدین اولیا بدایوں سے دہلی پہنچے تو وہاں نجیب الدین المتوکل سے ان کو رسم وراہ پیدا ہو گئی جو بابا فرید شکر گنج" کے بھائی تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ المتوکل کے گھر محفل سماع منعقد ہوئی جس میں ایک قوال نے جو بابا فرید کی خانقاہ میں کچھ دن رہ کر آیا تھا' ان کی دیندارانہ زندگی اور خانقاہ کا منظر اتنے دلکش پیرائے میں بیان کیا کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے دل پر اس کا بہت گہرا اثر پڑا۔ اور پھر وہ ان کے آستانے پہنچنے کی غرض سے "اجودھن" چلے گئے۔ بابا فرید نے ان کے ساتھ بڑی محبت و شفقت کا برتاؤ کیا۔ کچھ دنوں تک وہاں قیام کے بعد جب وہ عرفان وسلوک کے اسرار ورموز سے آشنا ہو گئے تو ان کو ایک جبہ اور ایک سجادہ عنایت فرما کر ہزاروں دعاؤں کے ساتھ بابا فرید نے اپنے نائب کی حیثیت سے دہلی بھیج دیا۔

جب بابا فرید کے نائب کی حیثیت سے خواجہ صاحب لوٹ کر دہلی آئے تو ان کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کی راہ میں بڑی بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ اس زمانہ کی دہلی میں خواص وعوام میں اس حد تک برائیاں سرایت کی ہوئی تھیں کہ قصر شاہی سے لیکر اُمراء اور شہریوں کے گھروں میں شراب ونگار وشباب کی محفلیں عام ہو گئی تھیں۔ ہر موڑ پر دعوتِ گناہ دینے والی حسیناؤں کا جمگھٹ

---

[1] تاریخی مقالات ص ۸۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظر آتا تھا۔ خواجہ صاحب کی تنہائی پسند طبیعت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ شہر سے دور کسی مقام پر سکونت اختیار کریں۔ مگر چونکہ راہ راست سے بھٹکے ہوئے بندگانِ خدا کی اصلاحِ نفس ہی ان کا نصب العین تھا، اس لیے انھوں نے "غیاث پور" نام کے ایک گاؤں کو منتخب کیا جو نہ شہر میں تھا اور نہ ہی شہر سے بہت دور تھا۔ اسی گاؤں میں انھوں نے سلسلۂ چشتیہ کی اس عظیم خانقاہ کی بنیاد ڈالی جس کی چوکھٹ سے تقریباً پچاس برس تک بے شمار مردہ دلوں کو زندگی اور بیمار روحوں کو تازگی ملتی رہی۔

سرزمینِ سندھ پر محمد بن قاسم کے ہاتھوں اسلام کا پھریرا لہرائے جانے سے لیکر چودھویں صدی عیسوی تک برِصغیر ہند میں مسلمان صوفیوں کی آمد کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ لیکن اس ملک میں صوفیا کی تبلیغی خدمات اور ان کے روحانی اثر و نفوذ کا سب سے اہم باب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی تشریف آوری سے کھلتا ہے۔ جنہوں نے اجمیر (راجپوتانہ) کو اپنا مستقر بنایا تھا[1]۔ بارھویں صدی عیسوی کے اواخر میں خواجہ معین الدین چشتی نے جن سیدھے سادے اصولوں پر اپنی تبلیغی سرگرمیوں کی بنیاد رکھی تھی، وہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی اور بابا فرید شکر گنج کے ذریعہ دہلی سے "پاک پٹن" تک پھیل گئے تھے۔ بابا فرید کی وفات کے وقت اگرچہ خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی میں تھے، مگر انھوں نے اپنے صاحبزادوں اور چہیتے بھانجے علاء الدین صابر کلیری کو چھوڑ کر اپنا جانشین انھیں کو نامزد کیا۔ بابا فرید کے بعد جب خواجہ نظام الدین اولیاءؒ چشتی سلسلے کے چوتھے صدر و پیشوا مقرر ہوئے تو انھوں نے ہم عصر علماء و مشائخ کی ریشہ دوانیوں اور فرمانروایانِ دہلی کی مخاصمت کے باوجود اپنے خونِ جگر کا تیل پلا پلا کر ہر حالت میں اس چراغِ روحانیت کو روشن کیے رکھا جسے ہندوستان میں سب سے پہلے خواجہ اجمیری نے جلایا تھا۔

خواجہ صاحب کے زمانے میں امرائے دہلی پر اقتدار کی ایسی ہوس غالب تھی کہ لوگ اسلامی اصولوں کو عملاً فراموش کر چکے تھے، منافقت ہر طرف عام تھی اور ہر شخص ایک دوسرے کا جانی دشمن تھا۔

---

[1] خواجہ معین الدین چشتی ۱۱۹۷ء میں اجمیر تشریف لائے اور اسی شہر میں ۱۲۳۲ء میں وفات پائی۔ ان کا مزار مبارک آج بھی خواص و عوام کی مشہور زیارت گاہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خفیہ سازشوں کا جال اس طرح بچھا ہوا تھا کہ کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ کون، کب، کس کی سازش کا شکار ہوکر اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ زہر خورانی ایسی ہی تھی جیسے کہ بچوں کا کھلونا۔ ہر گلی کوچے میں بازاری عورتوں کی نیم عریاں جوانی کی شراب چھلکتی پھرتی تھی اور اسے پیتے رہنا ہی آسودگیٔ نفس کا بہترین ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ گناہوں کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں خواجہ صاحب کی ذات نیکی و پارسائی اور خدا ترسی کا ایک روشن مینارہ بن کر دہلی کے افق پر نمودار ہوئی۔ ان کی زندگی کی ایک ایک رات، ایک ایک دن اور ایک ایک لمحہ اس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں گذرتا تھا کہ لوگ دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔ جس شخص نے ایک مرتبہ ان کے آستانے پر اپنا سرِ نیاز خم کر دیا اس کو وہ روحانی روشنی اور سربلندی ملی کہ پھر دنیا کی کوئی بھی حسین و رنگین شے اس کے دل کو نہ لبھا سکی۔ ان کے روحانی اثرات کا اس سے بڑا کرشمہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ شہر دہلی جہاں ہر طرح برائیاں عام تھیں، اس کے گھر گھر میں دیندارانہ ماحول پیدا ہو گیا اور کوچہ و بازار میں شرابوں کے مٹکے نالیوں میں لنڈھا دیئے گئے۔ چنانچہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی دیندارانہ زندگی اور ان کے روحانی اثرات سے دہلی کے مسلمانوں کی مذہبی، سماجی اور معاشرتی زندگی میں جو انقلاب آیا، اس کو ضیاء الدین برنی نے حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

> "...... شہر کا کوئی محلہ ایسا نہ تھا کہ جہاں بیسویں دن یا ہر مہینے لوگ جمع ہو کر سماع میں شریک نہ ہوتے ہوں اور وجد کی حالت میں نالہ و بکا نہ کرتے ہوں۔ خود سلطان علاء الدین اپنے خاندان کے ساتھ آپ کا معتقد تھا اور سب قسم کے لوگوں کے دل نیکی اور راست بازی کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ چنانچہ علاء الدین کے عہد کے آخری دور میں یہ کیفیت تھی کہ شراب، عورت، جوے اور بری باتوں کا نام بھی لوگوں کی زبان پر نہ آتا تھا اور زیادہ تر امرا اور بڑے لوگ اور طلاب جو شیخ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، مذہبی کتابوں کے مطالعے میں مصروف نظر آتے تھے۔ ایسی کتابیں جیسے احیاء العلوم اور اس کا ترجمہ، عوارف، کشف المحجوب،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوت القلوب، شرح تعرف، رسالۂ قشیری، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، قاضی حمید الدین ناگوری کی کتاب لوائح ولوامع اور امیر حسن کی تالیف فوائد الفواد کے بہت سے گاہک مشتاق رہتے تھے۔ کتب فروشوں کی دکانوں پر زیادہ تر لوگ تصوف وحقائق کی کتابیں تلاش کرتے تھے۔ کوئی پگڑی ایسی نظر نہ آتی تھی جس میں مسواک اور کنگھا آویزاں نہ ہو اور چمڑے کے بنے ہوئے لوٹے اور برتن صوفی خریداروں کی کثرت کے سبب بہت گراں ہو گئے تھے"۔[1]

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ میں لوگوں کے ساتھ کسی قسم کا امتیاز نہیں برتا جاتا اور ہر شخص کو بلا تاخیر ان کی خدمت میں باریابی کی اجازت مل جاتی۔ ان کے آستانۂ رشد وہدایت پر امیر وغریب، حاکم ومحکوم، مرد وعورت، نوجوان وضعیف، عالم وجاہل اور شہری و دیہاتی، گویا طبقے کے لوگ ہر قسم کے امتیاز وتفریق کے احساس کے بغیر حاضر ہوتے اور اپنی اخلاقی اصلاح اور روحانی سکون کی دولت سے مالا مال ہو کر واپس جاتے تھے۔ ان کے مریدوں اور معتقدین میں ہر مذہب وملت کے عوام تھے کیونکہ وہ بے جھجک سب کو اپنے حلقۂ ارادت واعتقاد میں داخل کر لیا کرتے تھے۔ اسلامی حکومت کے قیام سے فاتح مسلمانوں کے تئیں مفتوح ہندوؤں کے دلوں میں منافرت کا جو جذبہ پیدا ہو رہا تھا، اس کو دور کرنے کے لیے انھوں نے دونوں مذہبی فرقوں میں انسانی مساوات، اخلاق رواداری اور اخوت وہمدردی جیسی انسانی قلوب کو متاثر کرنے والی تعلیمات کو عام کیا تاکہ ملک میں سیاسی امن وامان اور تہذیبی یگانگت کی فضا پیدا ہو سکے۔ ان کی کوششوں سے ان کے خلفاء نے ملک کے گوشے گوشے میں جا کر چشتی سلسلے کی خانقاہیں قائم کیں جہاں خدا کے بندوں کو قلب کا اطمینان اور روح کا سکون بخشا جاتا تھا۔ چنانچہ سلسلۂ شطاریہ کے مشہور بزرگ محمد غوث گوالیاری نے لکھا ہے:

---

[1] اردو ترجمہ تاریخ فیروز شاہی ص ۲۴۳ مابعد

© rasailojaraid.com